

مجلس شرعی کے اجلاس کے اہم فیصلے

10 ستمبر 2015ء کو بعد نماز مغرب جامعہ اشرفیہ الہور میں مجلس شرعی پاکستان کا ایک اہم اجلاس مولانا مفتی محمد خان قادری کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں مولانا حافظ فضل الرحیم، مولانا زاہد الراشدی، علامہ احمد علی قصوری، علامہ غلیل الرحمن قادری، مولانا عبدالملک محمد ڈاکٹر امین، مولانا حافظ محمد نعمان، جسٹس (ر) میاں نذیر اختر، جسٹس (ر) میاں سعید الرحمن فرخ، ڈاکٹر سید محمد مہدی، ڈاکٹر محمد توقیر، مولانا حافظ عبدالغفار روپڑی، مولانا سید عبدالوحید شاہ، حافظ عاکف سعید، ڈاکٹر فرید احمد پراچہ، قاری جمیل الرحمن اختر، مولانا محمد رمضان، مولانا اشرف علی، مرزا محمد ایوب بیگ، اور دیگر حضرات نے شرکت کی۔ اجلاس کے لیے سیکرٹری جنرل پروفیسر ڈاکٹر محمد امین کی طرف سے مندرجہ ذیل ایجنڈا شرکاء کو بھیجا گیا تھا:

(۱) سپریم کورٹ کا محدود فیصلہ

آئینی ترامیم کے حق میں پاکستان کی عدالت عظمیٰ کے اکثریتی فیصلے نے پارلیمنٹ کو آئین میں ترمیم کا لامحدود اختیار دے دیا ہے، سوائے تین امور کے جن میں اسلامی دفعات اور آئین کا اسلامی مزج اور ڈھانچہ شامل نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پارلیمنٹ جب چاہے آئین کی اسلامی دفعات ختم کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک خطرناک صورت حال ہے جو اسلامی جماعتوں اور اداروں کے لیے کسی حالت میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس فیصلے کو چیلنج کیا جائے اور فل کورٹ کے لیے ریویو پٹیشن داخل کی جائے اور علماء کرام و عوام کو متحرک کیا جائے کہ وہ اس تشویش ناک صورت حال کی سنجیدگی اور الم ناک کو محسوس کریں۔

(۲) قانون توہین رسالت اور ممتاز قادری کیس

مجلس نے پچھلے اجلاس میں طے کیا تھا کہ ممتاز قادری کیس میں عدالت عظمیٰ کے ججوں کے رویے کے پیش نظر رائے عامہ کو متحرک کیا جائے۔ اس کے لیے علامہ احمد علی قصوری صاحب کی کنویز شپ میں ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ وہ کمیٹی اپنی رپورٹ اور آئندہ کالکٹ عمل پیش کرے گی۔ نیز جسٹس (ر) سعید الرحمن فرخ صاحب قانون توہین رسالت کی بقاء کے حوالے سے اپنی کوششوں کے بارے میں بتائیں گے۔

(۳) دینی مسالک اور علماء کرام کے لیے ضابطہ اخلاق

ملی مجلس شرعی کے بانی رکن اور جامعہ اشرفیہ کے نائب مہتمم مولانا حافظ فضل الرحیم نے (جو حکومت پنجاب کے قائم کردہ متحدہ علماء بورڈ کے صدر بھی ہیں) منافرت آمیز مواد کے خاتمے کے حوالے سے ایک تحریر تیار کی ہے جو انہوں نے مختلف علماء کو بھیجی۔ مجلس کے صدر مولانا مفتی محمد خان قادری صاحب نے اپنی ذاتی حیثیت میں اس مسودے کے بارے میں تجاویز دیں۔ دونوں کی فوٹو کاپیاں ارکان مجلس کی خدمت میں ارسال ہیں جنہیں وہ پڑھ کر تشریف لائیں تاکہ مجلس کی طرف سے ایک متحدہ موقف اختیار کیا جاسکے۔

(۴) مولانا زاہد الراشدی صاحب کا خط اور تجاویز

مجلس نے اپنے سابقہ اجلاس میں طے کیا تھا کہ جاوید احمد غامدی صاحب کے گمراہ کن افکار کے بارے میں علماء کرام کے متفقہ موقف کے لیے صدر و جنرل سیکرٹری ایک تحریر تیار کریں۔ اسی طرح قضیہ یمین کے بارے میں طے ہوا تھا کہ متعلقہ ممالک کی حکومتوں کو صلح و جنگ کے قرآنی اصولوں کی طرف متوجہ کیا جائے تاکہ امت میں اختلاف و انتشار کا خاتمہ ہو۔ ان دونوں نکات پر عملدرآمد کے حوالے سے مولانا زاہد الراشدی نے مجلس کے جنرل سیکرٹری کو ایک خط لکھا جس کی فوٹو کاپی لف ہذا ہے..... تاکہ ارکان مجلس ان معاملات میں اپنی رائے دے سکیں۔

سیکرٹری جنرل کے نام مولانا زاہد الراشدی کا خط:

”گزارش ہے کہ ملی مجلس شرعی کے 14 جون کے اجلاس کی کاروائی ”البرہان“ کے جون ہی کے شمارہ میں پڑھ لی تھی مگر ایک دو ضروری گزارشات پیش کرنے میں کچھ تاخیر ہوگئی۔

☆ جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار کے حوالہ سے میری تجویز یہ ہے جو میں نے لاہور کے ایک بڑے مفتی صاحب محترم کے استفسار پر ان کی خدمت میں بھی عرض کی تھی کہ غامدی صاحب کی تحریرات کا بغور جائزہ لے کر ان کے بارے میں اشکالات مرتب کیے جائیں اور انہیں وضاحت کے لیے بھجوائے جائیں۔ اگر وہ وضاحت سے انکار کر دیں یا ان کی وضاحت قابل قبول نہ ہو تو اس کے بعد ایک متوازن اور ٹھوس رائے قائم کر کے اس پر مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام کے دستخط کرائے جائیں۔ اس لیے کہ جس شخص کے بارے میں ہم اپنی رائے کا اعلان کرنا چاہتے ہیں وہ اگر زندہ موجود ہے تو اسے وضاحت کا موقع دینے بغیر کسی حتمی رائے یا فتویٰ کا اعلان میرے خیال میں مناسب بات نہیں ہوگی۔

☆ قضیہ یمین کے حوالہ سے مجلس کی رائے اصولی طور پر درست ہے مگر صرف موجودہ صورت حال کو بنیاد بنانے کی بجائے حالات کو یہاں تک پہنچانے کے اسباب و عوامل کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ میری تجویز ہے کہ ملی مجلس شرعی کو اس مسئلہ پر وسیع تر مکالمہ و مباحثہ کا اہتمام کرنا چاہیے اور اہل سنت و اہل تشیع کے سنجیدہ اہل دانش کو باہمی تبادلہ خیالات کا موقع فراہم کرنا چاہیے۔ کیونکہ جب تک اسباب و عوامل کا جائزہ لے کر ان کے بارے میں کوئی رائے قائم نہ کر لی جائے، صرف معروضی حالات کو کسی حکمت عملی کی بنیاد بنا کر قرین انصاف نہیں ہوگا۔“

جامعہ اشرفیہ میں منعقدہ اجلاس کی کاروائی

جامعہ اشرفیہ لاہور میں 10 ستمبر کو منعقدہ اجلاس میں سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے کا جائزہ لیا گیا اور اس امر پر تشویش کا اظہار کیا گیا کہ فیصلے میں دستور کے ناقابل ترمیم حصوں کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی دفعات اور قرارداد مقاصد کا معاملہ گول کر دیا گیا ہے۔ اس پر سپریم کورٹ سے نظر ثانی کے لیے رجوع کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور طے پایا کہ جسٹس (ر) میاں نذیر اختر، جسٹس (ر) میاں سعید الرحمن فرخ اور پروفیسر ڈاکٹر محمد امین پر مشتمل کمیٹی دیگر حضرات سے مشاورت کے بعد عملی طریق کار طے کرے گی۔ جبکہ عید الاضحیٰ کے بعد اجلاس میں اس کے بارے میں حتمی فیصلہ کیا جائے گا۔

اجلاس میں ممتاز قادری کیس کے سلسلہ میں رائے عامہ کو منظم کرنے کے لیے علامہ احمد علی قصوری کی سربراہی میں قائم کمیٹی کو دوبارہ متحرک کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور مولانا قصوری نے بتایا کہ وہ جلد از جلد کمیٹی کا اجلاس بلا کر عملی پروگرام کی ترتیب طے کریں گے۔

اجلاس میں ”تحریک انسداد سود“ کی کارکردگی کا بھی جائزہ لیا گیا اور رابطہ کمیٹی کے کنوینر مولانا زاہد الراشدی نے بتایا کہ وہ عید الاضحیٰ کے بعد رابطہ کمیٹی کا اجلاس طلب کریں گے جس میں مہم کو آگے بڑھانے کا لائحہ عمل طے کیا جائے گا۔ اجلاس میں متحدہ علماء بورڈ کا مختلف مذہبی مکاتب فکر کے لیے تجویز کردہ ضابطہ اخلاق زیر بحث آیا اور طے پایا کہ اس سلسلہ میں پیش کی جانے والی تجاویز کا جائزہ لے کر آئندہ اجلاس میں حتمی رپورٹ پیش کی جائے گی۔ جبکہ ان کا جائزہ لینے کے لیے مولانا مفتی محمد خان قادری، پروفیسر ڈاکٹر محمد امین اور علامہ خلیل الرحمن قادری پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی گئی۔

اجلاس میں مولانا زاہد الراشدی کی اس تجویز سے اتفاق کیا گیا کہ جاوید احمد غامدی صاحب کے تنازعہ افکار کے حوالہ سے کسی مشترکہ موقف کے اعلان سے پہلے ان کے بارے میں اعتراضات و اشکالات مرتب کر کے انہیں بھجوائے جائیں اور ان کی طرف سے جواب موصول ہونے یا انکار کر دینے کے بعد کوئی مشترکہ رائے قائم کر کے اس کا اعلان کیا جائے۔

یمن کے قضیہ کے بارے میں غور و خوض کے بعد طے پایا کہ مولانا مفتی محمد خان قادری اور ڈاکٹر محمد امین یمن، سعودی عرب اور ایران کے سفارت خانوں سے رابطہ کر کے انہیں یمن کے تنازعہ کے بارے میں ملی مجلس شرعی کے جذبات سے آگاہ کریں گے اور ضرورت پڑنے پر باقاعدہ وفد کی صورت میں ان سفارت خانوں سے ملاقات و رابطہ کا اہتمام کریں گے۔ اس سلسلہ میں مولانا زاہد الراشدی کی اس رائے سے اجلاس میں اتفاق کیا گیا کہ صرف یمن کی بجائے مشرق وسطیٰ کی مجموعی صورت حال اور بڑھتی ہوئی سنی شیعہ کشیدگی کے اسباب و عوامل کا جائزہ لینے کے بعد اس کے بارے میں مشترکہ موقف پیش کیا جائے اور اس مقصد کے لیے سنجیدہ سنی اور شیعہ راہنماؤں کے درمیان مشاورت اور تبادلہ خیالات کا بھی اہتمام کیا جائے تاکہ کوئی متوازن موقف طے کیا جاسکے۔

اجلاس میں جسٹس (ر) میاں سعید الرحمن فرخ نے ناموس رسالت کے تحفظ کے قانون کے حوالہ سے نفاذ قانون

کے پس منظر اور اس کے تقاضوں سے شرکاء کو آگاہ کیا۔ اور حاضرین نے اس عزم کا اظہار کیا کہ تحفظ ناموس رسالت کے قانون کے خلاف سازشوں کا بھرپور مقابلہ کیا جائے گا۔

میری صحافتی زندگی

اخبارات و جرائد میں کسی نہ کسی بہانے مراسلے، بیانات، اجلاسوں کی رپورٹیں اور ہلکے پھلکے مضامین لکھنے کا ”چسکہ“ تو 1964ء میں ہی شروع ہو گیا تھا جب میں جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں اپنی طالب علمی کے تیسرے سال میں تھا۔ حافظ سید جمیل الحسن مظلوم مرحوم ”نوائے گوجرانوالہ“ کے نام سے ہفت روزہ اخبار نکالتے تھے۔ گھنٹہ گھر کے قریب چوک غریب نواز میں دفتر تھا جو ہمارے مدرسہ سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔ مولانا عزیز الرحمن خورشید اور مولانا سعید الرحمن علوی بھیرہ کے حضرت مولانا محمد رمضان علوی کے فرزند تھے اور نصرۃ العلوم میں زیر تعلیم تھے۔ ان کا اور میرا مشترکہ ذوق یہ تھا کہ بیانات اور مضامین لکھ کر اخبارات میں شائع کرانے کی کوشش کرنا۔ اور پھر شائع شدہ بیان یا مضمون دوستوں کو پڑھانا۔ ”نوائے گوجرانوالہ“ کے علاوہ ہفت روزہ ”قومی دلیر“ اور ”تحفہ“ بھی مقامی اخبارات تھے اور ہماری ابتدائی جولانگہ یہی جرائد تھے۔ جمعیت علماء اسلام پاکستان کے آرگن ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور کو بھی مضامین بھجوائے جاتے تھے جن میں اکثر شائع ہو جاتے تھے۔

البتہ صحافتی زندگی میں میری باضابطہ انٹری ستمبر 1965ء میں ہوئی جب میں نے لگھڑ میں روزنامہ وفاق لاہور کے نامہ نگار کے طور پر کام شروع کیا۔ 6 ستمبر کو جنگ کے پہلے مرحلہ میں ہی صبح نماز کے وقت لگھڑ ریلوے اسٹیشن پر بھارتی فضائیہ کے طیاروں نے بمباری کی جس میں ہمارے ایک دوست صفدر باجوہ شہید ہو گئے۔ وہ ریلوے اسٹیشن کی دوسری جانب اپنے کھیتوں کی طرف جا رہے تھے کہ بھارتی طیارے کی بمباری کا نشانہ بن گئے۔ میں نے اس واقعہ پر ایک نچر لکھا جو روزنامہ وفاق لاہور میں شائع ہوا تھا۔ یہ میری صحافتی زندگی کا عملی آغاز تھا اور اس کے بعد روزنامہ وفاق کے نامہ نگار کے طور پر کچھ عرصہ کام کرتا رہا۔

حافظ سید جمیل الحسن مظلوم بحکیم الامت حضرت مولانا شرف علی تھانوی کے مجاز صحبت حضرت حافظ عنایت علی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند تھے۔ انجمن صحافیان کے ضلعی صدر تھے اور قائد صحافت کہلاتے تھے۔ میری خبر نویسی کی حوصلہ افزائی میں ان کا بہت حصہ ہے۔ ”نوائے گوجرانوالہ“ میں ہی راشد بزمی مرحوم اور حافظ خلیل الرحمن ضیاء مرحوم سے تعارف ہوا۔ بزمی صاحب مرحوم ایک عرصہ تک روزنامہ جنگ کے نمائندہ خصوصی رہے جبکہ حافظ خلیل الرحمن ضیاء کا تعلق بھی جنگ اور وفاق سے رہا۔ حافظ صاحب مرحوم جامعہ نصرۃ العلوم کے فاضل اور میرے دورہ حدیث کے ساتھی بھی تھے۔ اس وقت گوجرانوالہ میں مختلف اخبارات کے نمائندوں میں بذل احمد ایوبی مرحوم، کیف صہبائی مرحوم، اعجاز میر مرحوم، اکرم ملک، اور جی ڈی بھٹی نمایاں تھے۔ اور ان سب سے میرے دوستانہ مراسم تھے۔ ان کے ساتھ میری انڈر

اسٹیٹمنٹ تکھی کہ میں جمعیت علماء اسلام یا کسی دینی تحریک کے حوالہ سے کوئی خبر بھجوانا تو وہ نہ تو کسی لیٹر پیڈ پر ہوتی اور نہ ہی اس پر مہر اور دستخط موجود ہوتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ تمہاری بھجوائی ہوئی خبر پر کسی کمی بیشی کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے سادہ کاغذ پر لکھ کر بھیج دیا کرو۔ وہ میری ہینڈ رائٹنگ پہچانتے تھے اور اسے دیکھ کر اسی پر دستخط ثبت کر کے اپنے اپنے اخبارات کو بھجوا دیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ سا لہا سال چلتا رہا۔

ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور اور ہفت روزہ ”خدام الدین“ لاہور میں بھی وقتاً فوقتاً لکھنے کا کام جاری رہا جو آگے چل کر ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور کی باقاعدہ ادارت سنبھالنے تک پہنچا، اور میں کئی برس جمعیت علماء اسلام پاکستان کے ہفت وار آرگن کا ایڈیٹر رہا۔ جمعیت علماء اسلام پاکستان کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات اور پاکستان قومی اتحاد کے صوبائی سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے مجھے حضرت مولانا مفتی محمود اور نواب زادہ نصرہ اللہ خان مرحوم کی سالہا سال تک رفاقت کا شرف حاصل رہا اور میں نے ان بزرگوں سے بہت کچھ سیکھا جس سے میرے صحافتی شعور میں پختگی آئی۔ معروف احرار راہ نما جاناباز مرزا مرحوم ماہنامہ ”تبصرہ“ کے نام سے ایک عرصہ سے جریدہ شائع کر رہے تھے جس کی اشاعت میں 77ء/78ء کے دوران کچھ وقفہ آیا تو میری درخواست پر انہوں نے یہ جریدہ میرے حوالے کر دیا۔ اور میں نے اپنے رفیق مولانا ناصر محمد حضروی کی رفاقت میں کئی ماہ تک اس کی اشاعت و ادارت کا اہتمام کیا۔

1989ء کے آخر میں ”الشریعہ“ کے نام سے میں نے ایک مستقل جریدہ کا ڈیکلیریشن حاصل کیا جو گجرات والہ سے تب سے تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اس کا مدیر مسؤل میں خود ہوں جبکہ مدیر کے طور پر ایڈیٹر ایڈیٹر ڈیفنسر حافظ محمد عمار خان ناصر کم و بیش دو عشروں سے خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ عمار خان ناصر جامعہ نصرۃ العلوم کا فاضل اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے انگلش ہے، اور اب پی ایچ ڈی کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ جبکہ گفٹ یونیورسٹی گجرات والہ میں اسلامیات کے شعبہ ایم فل کا استاذ و نگران ہے۔

قومی اخبارات جنگ، نوائے وقت، مشرق اور وفاق میں وقتاً فوقتاً مختلف عنوانات پر لکھتا آ رہا ہوں، مگر برادر مرزا حامد میر اور مولانا اللہ وسایا قاسم شہید کی ترغیب پر میں نے باقاعدہ ”کالم نگاری“ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ حامد میر صاحب ان دنوں روزنامہ پاکستان اسلام آباد کے مدیر تھے اور وہیں سے میں نے کالم لکھنے کا آغاز کیا تھا۔ بعد میں وہ روزنامہ اوصاف میں گئے تو میں بھی ان کے ساتھ ہی اوصاف میں منتقل ہو گیا۔ اس کے بعد مختلف اتار چڑھاؤ آئے مگر روزنامہ پاکستان لاہور، روزنامہ اسلام کراچی اور روزنامہ اوصاف اسلام آباد میں میرے کالم الگ الگ عنوانات سے مسلسل چھپتے رہے ہیں جس کی تازہ ترین صورت یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک یا دو کالم لکھتا ہوں جو (۱) روزنامہ اوصاف (۲) روزنامہ اسلام اور (۳) روزنامہ اوصاف میں بیک وقت شائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس پر ملک بھر سے احباب کی دعائیں ملتی رہتی ہیں، فالحمد للہ علی ذلک۔

ستمبر 2015ء کے پہلے عشرہ میں میری باقاعدہ صحافتی زندگی کے پچاس سال مکمل ہو رہے ہیں جس پر ”تحدیثِ نعت“ کے طور پر چند سطور میں اپنی اس شعبہ کی کارگزاری قارئین کی خدمت میں پیش کر دی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل

ہے اور بزرگوں کی شفقتیں اور دعائیں ہیں کہ اللہ رب العزت تدریس، خطابت اور صحافت کے تینوں شعبوں میں کسی نہ کسی حوالہ سے دین کی کچھ نہ کچھ خدمت لیتے آ رہے ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ خصوصی طور پر دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ زندگی بھر یہ خدمت لیتے رہیں اور ایمان و اعمال صالحہ پر خاتمہ نصیب فرمائیں، آمین یا رب العالمین۔

سنی شیعہ اختلافات

مشرق وسطیٰ ہو یا پاکستان، ہم کسی بھی جگہ سنی شیعہ کشیدگی میں اضافہ اور اس کے فروغ کے حق میں نہیں ہیں اور پہلے کی طرح اب بھی دل سے چاہتے ہیں کہ اس کی شدت اور سنگینی میں کمی لائی جائے اور اس ماحول کو بحال کرنے کی کوشش کی جائے جو سنی شیعہ کشیدگی کے باقاعدہ خانہ جنگی کی صورت اختیار کرنے سے قبل موجود تھا کہ باہمی اختلافات کے باوجود مشترکہ قومی مسائل میں ایک دوسرے سے تعاون کیا جاتا تھا، اختلافات کو دلیل اور مناظرہ کے دائرے میں محدود رکھا جاتا تھا، ایک دوسرے کے عقیدہ و موقف پر شدید تنقید بھی کچھ حدود کا لحاظ رکھتی تھی، اور باہمی قتل و قتال اور تصادم سے ہر ممکن گریز کیا جاتا تھا۔ ہم نے پاکستان کے قیام کی تحریک سے لے کر تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ، تحریک تحفظ ناموس رسالت اور دیگر دینی و قومی تحریکات میں مشترکہ کردار ادا کیا ہے۔ اور ان تمام تر اختلافات کے باوجود کیا ہے جنہوں نے اب ہمیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا رکھا ہے۔ اور سنی شیعہ اختلافات کا جملہ زبان پر آتے ہی دل و دماغ میں عجیب سے ہیجان پیا ہونے لگتا ہے۔

جہاں تک اختلافات کی بات ہے وہ تو صدیوں سے چلے آ رہے ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ انہیں ختم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی دونوں میں سے کوئی گروہ دوسرے کو ختم یا مغلوب کر سکتا ہے۔ یہ اختلاف عقیدہ میں بھی ہے، شخصیات میں بھی ہے، فقہ و شریعت میں بھی ہے، اور رسوم و عبادات میں بھی ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ یہ اختلافات کسی طرح ختم کیے جاسکتے ہیں تو وہ انسانی فطرت، معاشرتی نفسیات اور تاریخی پس منظر و عوامل سے بے خبری کا اظہار کرتا ہے۔ البتہ ان اختلافات کا ایسا اظہار اور ان کی بنیاد پر ایسا باہمی رویہ ضرور غور طلب ہے جو کشیدگی میں اضافے کا باعث بنتا ہے اور باہمی تصادم کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اس کا سنجیدگی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ہم اس پر غور و خوض کی اہل فکر و دانش کو وقتاً فوقتاً دعوت دیتے رہتے ہیں اور اسے اپنی دینی و قومی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

دراصل ہمارے ہاں یہ سوچ مسلسل پروان چڑھ رہی ہے کہ کسی مسئلہ کو ”کیمو فلاج“ کر دینے سے شاید اس کے حل کی کوئی صورت نکل آتی ہے۔ یعنی مسئلہ کے وجود سے انکار کر دیا جائے، اس پر بحث و تہیص سے گریز کیا جائے، اور اسے نظر انداز کیا جاتا رہے تو وقتی طور پر وہ آنکھوں سے ضرور اوجھل ہو جاتا ہے لیکن اس کی سطح سمندر جیسی خاموشی کی تہہ میں جو طوفان کروٹیں لے رہے ہوتے ہیں ان میں ایک بھی ابھر آئے تو سب کچھ تہہ و بالا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور پھر جو کچھ کیا جاسکتا ہے وہ بھی نہیں ہو پاتا۔

پاکستان کا داخلی ماحول ہو یا مشرق وسطیٰ کا وسیع تناظر ہو، ہم ہر جگہ اور ہر حوالہ سے اس بات پر زور دیتے آرہے ہیں کہ کشیدگی کی موجودگی کو محسوس کیا جائے، اس کے معروضی تناظر کو کھلی آنکھوں سے دیکھا جائے، اس کے اسباب و عوامل کی نشاندہی کی جائے، ان پرفریقین کے سنجیدہ اور ارباب دانش کے درمیان مکالمہ کا اہتمام کیا جائے، ان اسباب و عوامل کو کم کرنے کے امکانات کا جائزہ لیا جائے، ایک دوسرے کے وجود اور جائز حقوق کا احترام کیا جائے، اور ایک دوسرے کی شکایات و تحفظات کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ یہ کام یک طرفہ نہیں بلکہ دوطرفہ بنیادوں پر ہونا چاہیے اور ایسے موثر افراد و طبقات کو سامنے آنا چاہیے جو عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دونوں فریقوں سے بات کر سکیں، دونوں کو ایک میز پر لاسکیں، حقیقت پسندانہ توازن قائم کر سکیں اور معاملات کو سلجھانے یا کم از کم مزید بگڑنے سے روکنے کے لیے کوئی کردار ادا کر سکیں۔

ہمارے خیال میں مسئلہ کا اصل حل یہی ہے اور اس کے لیے مشرق وسطیٰ کے ماحول میں اسلامی سربراہ کانفرنس کی تنظیم، جبکہ پاکستان کے اندر عدالت عظمیٰ یا ریٹائرڈ جسٹس صاحبان کا کوئی فورم اس کام کو بطریق احسن سرانجام دے سکتا ہے۔ اگر حکومتی سطح پر یا فریقین کی طرف سے اس کی پذیرائی نہ ہو تو بھی غیر جانبدار دانش وروں کا کوئی فورم اپنے طور پر یہ ذمہ داری قبول کر کے آزادانہ انکوائری اور تحقیقات کے ذریعہ سنی شیعہ کشیدگی میں مسلسل اضافہ کے اسباب و عوامل کی نشاندہی کر کے اس میں کمی لانے کے لیے تجاویز اور سفارشات ملکی اور عالمی رائے عامہ کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ اس سے لوگوں کو اصل صورت حال سمجھنے میں مدد ملے گی اور رائے عامہ کی راہ نمائی ہو جائے گی۔ اور یہ طرز عمل کوئی نئی اور انہونی بات نہیں ہوگی کیونکہ قومی اور عالمی سطح پر تنازعات میں ایسا ہوتا آ رہا ہے اور اس کی افادیت اور تاثیر سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مثلاً مشرق وسطیٰ کی موجودہ صورت حال کو سعودی عرب اور ایران کے درمیان پر کسی وار سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اور ظاہری تناظر بھی یہی ہے کہ مشرق وسطیٰ کے نصف درجن کے لگ بھگ ممالک میں یہ کشیدگی آگے بڑھ رہی ہے اور اس کے فروغ کی پشت پر ایران اور سعودی عرب کی موجودگی ہر ایک کو نظر آ رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا موقف یہی ہوگا کہ وہ یہ سب کچھ اپنے دفاع میں کر رہا ہے اور اپنے ہم خیال لوگوں کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اپنی سلامتی اور بقا کی خاطر اسے ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن کیا ان دعویٰ کا زمینی حقائق کی بنیاد پر جائزہ لینا ضروری نہیں ہے؟ سوال یہ ہے کہ زمینی حقائق کیا ہیں، واقعات کی ترتیب کیا ہے، اور ایک دوسرے کے حوالہ سے اقدامات اور پالیسیوں میں توازن و تناسب کیا ہے؟ جب تک ان امور کا جائزہ نہیں لیا جائے گا اور معروضی صورت حال کی پشت پر کارفرما حقائق و اسباب کو سامنے نہیں لایا جائے گا، نہ تو اس کشیدگی بلکہ تصادم کو روکنا ممکن ہوگا اور نہ ہی انصاف کے تقاضے پورے کیے جاسکیں گے۔ دونوں میں سے کسی کو یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کشیدگی اور تصادم کا فائدہ صرف امریکہ، اسرائیل اور ان عالمی قوتوں کو ہے جو عالم اسلام کو بکھری ہوئی حالت میں رکھنا چاہتی ہیں، جنہیں عالم اسلام میں دینی بیداری اور مذہبی رجحانات کا فروغ برداشت نہیں ہے، جن کا مفاد اسرائیل کے تحفظ و استحکام اور اس کے ذریعہ مشرق وسطیٰ کے

وسائل اور دولت پر اپنی گرفت قائم رکھنے میں ہے، اور جو عالم اسلام کو اس کے اپنے وسائل کے کنٹرول اور استعمال سے محروم رکھنے میں اپنی عافیت سمجھ رہی ہیں۔

لیکن اس کے لیے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہم حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں، اسباب و عوامل کا تعین کریں اور انہیں دور کرنے کے لیے باہمی مکالمہ و مشاورت کے ساتھ راستہ نکالیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم سب نے مسائل کے حل کے لیے امریکہ کی طرف دیکھنے کی روش کو عادت بنا لیا ہے۔ ہماری اپنی پالیسیوں کا تعین بھی واشنگٹن کا موڈ دیکھ کر ہوتا ہے۔ اور اسے دولت و طاقت کا کرشمہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ بہادر بیک وقت حریف بھی ہے، فریق بھی ہے، ریفری بھی ہے، قابض بھی ہے، حج بھی ہے، گواہ بھی ہے، وکیل بھی ہے، اور فیصلہ صادر کرنے کے بعد سزا دینے کی اتھارٹی بھی وہی رکھتا ہے۔ کیا عالم اسلام کی مثال آپریشن تھیٹر کے اس مریض کی تو نہیں جسے سرجن نے بے ہوش کر کے اس کے پورے جسم کی چیر پھاڑ شروع کر رکھی ہے؟ بات آپریشن کی حد تک رہتی تو کسی حد تک قابل فہم تھی مگر اب تو یہ آپریشن ”پوسٹ مارٹم“ کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، آمین یا رب العالمین۔

گزشتہ دنوں دو بظاہر چھوٹی سی خبریں نظر سے گزریں جن کو کسی تیسرے کے بغیر قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے دوستوں کو ہماری گزارشات کا مقصد سمجھنے میں اس سے کچھ سہولت ہو جائے۔

ایک خبر و نامہ ”جنگ“ کے ملتان ایڈیشن میں 5 ستمبر کو شائع ہوئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ:

”ایران کے قونصلیٹ جنرل نے حال ہی میں حکومت پنجاب کی اعلیٰ شخصیات سے ملاقات کر کے انہیں پیش کش کی تھی کہ پنجاب پولیس اور ایران پولیس ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں تاکہ دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے پولیس کو جدید خطوط پر تزیین دی جاسکے۔ ذرائع کے مطابق حکومت پنجاب نے یہ پیش کش قبول کر لی ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ سیکرٹری داخلہ پنجاب، آئی جی پولیس پنجاب اور ایڈیشنل آئی جی اسٹیبل براچ پر مشتمل ایک وفد تین روزہ دورے پر ایران جائے گا اور ایران کے پولیس سسٹم کا جائزہ لے گا۔“

جبکہ دوسری خبر و نامہ ”دنیا“ کے گوجرانوالہ ایڈیشن نے 8 ستمبر کو شائع کی ہے جس کا متن یہ ہے کہ:

”امریکی اخبار ”واشنگٹن ٹائمز“ نے اپنی رپورٹ میں دعویٰ کیا ہے کہ یمن، شام، لبنان اور غزہ کی پٹی میں ایران اپنے حامی جنگجوؤں کو سالانہ 30 ارب ڈالر کی امداد مہیا کرتا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ایران وزارت دفاع کا سالانہ بجٹ 14 سے 30 ارب ڈالر کے درمیان ہے جس کا ایک بڑا حصہ بیرون ملک مسلح دہشت گرد گروپوں بالخصوص مشرق وسطیٰ میں سرگرم تنظیموں کو پہنچایا جاتا ہے۔ شام میں بشار الاسد کی حمایت میں لڑنے والے اجرتی قاتلوں کو ماہانہ 500 سے ایک ہزار ڈالر اجرت ایران کی طرف سے ادا کی جاتی ہے۔ ان میں سے بیشتر جنگجوؤں کا تعلق افغانستان اور دوسرے ملکوں سے ہے، پہلے ان کی ایران ہی میں عسکری تربیت کی جاتی ہے۔“